حیاتِ قادر

مؤلف

عبید اللہ دُرّانی

باب نمبر ۱۲

آپ اور آپ کا ایک دن

آئے اب کچھ ہوش کی باتیں کریں۔ ایک تصویر یابت سے کسی ذات کا ادراک یا احساس مشکل ہی نہیں بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ ذات تک صرف گرمی عشق کی پختہ کاری سے اور اس کی تجلی اور روشنی سے پہنچا جا سکتا ہے۔ ہاں اس ذات کی صفات کا صرف ذکر ہی اس کے بغیر ممکن ہے۔ تو آیئے کچھ ذکر ہی کر کے بابا وقار اولیا کی ذات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

بابا صاحب کا قد ایسا ہے کہ دور سے دیکھو تو معمولی اور درمیانہ معلوم ہوتا ہے مگر بازو میں کھڑے ہو جائیں تو اپنے سر سے بلند تر ایک سڈول اور گداز جسم نظر آئے گا۔ آپ کو کبھی مصافحہ اور قدمبوسی کرنے کا موقع ملے تو بابا صاحب کے ہاتھ اور پیر آپ کو نرم ریشم کی طرح ملائم معلوم ہوں گے۔ کبھی راستہ چلتے یا سیڑھیاں چڑھتے اگر بابا صاحب کا ہاتھ کا سہارا دینے کا آپ کو موقع مل جائے تو اندازہ ہو گا کہ بابا صاحب کے جسم کی ساخت ہرن کی طرح سبک اور ہلکی ہے اور چال وہ مستانہ اور کیف آور کہ کوئی صرف دیکھ ہی لے تو اس کو زندگی کی ساری عجلتیں اور تگ ودو بے معنی معلوم ہونے لگیں۔ یہ چال ایک شیریں اور دھیمی آواز کا نغمہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اتنی تیز کہ آپ پیدل ساتھ سیر کو چلیں اور وہ اپنے اطمینان سے چل رہے ہوں تو بھی آپ کا بھاگ بھاگ کر ساتھ ہونا مشکل ہو جائے گا۔

بابا صاحب کے مزاج میں انتہائی رحم دلی ہے۔ کوئی شخص کیسا بھی دُکھڑا سُنا رہا ہو آپ ہمہ تن ہمدردی اور توجہ ہوتے ہیں۔ آپ کی لوحِ جبیں پر ایک عجب تدبر اور یقین پایا جاتا ہے جس کو دیکھتے ہی سنانے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج میری مشکلوں کا حل مل گیا اور ع میں کامیاب لوٹوں گا۔ صبر واستقلال کا یہ حال ہے کہ وہ لوگ جن پر حضور نے صدہا کرم فرمائے، جب آپ کو ہر طریقہ سے بدنام کرنے کی اور ستانے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ کو ان کی یہ حرکات بتائی جاتی ہیں تو آپ کو دُکھ ضرور ہوتا ہے۔ مگر اتنا ارشاد ہوتا ہے کہ ابھی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ آپ ہی راہِ راست پر آجائیں گے۔ توکل کا یہ عالم ہے کہ اکثر متمول لوگ جب اپنی مرادیں پاتے ہیں اور عقیدت کی نذر کو کسی مستقل ذریعہ آمدنی کی شکل میں پیش کرنا چاہتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے کہ جو آج کا خدا ہے وہی کل کا بھی خدا ہے۔ اگر تم کچھ خرچ کرنا چاہتے ہو تو غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور ان کی امداد کرو۔ اس طرح جو نذرانہ ہوتا ہے اسی دن ختم ہو جاتا ہے۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ شام کے کھانے کے بعد لنگر خانہ میں جھاڑو دے دی گئی ہے اور اس بات کی کوئی

فکر نہیں کہ کل کیا ہو گا۔ اللہ اللہ کیفیت قلب سے نہ سہی خیال ہی میں اس توکل کا اندازہ لگائیے۔ یہ توکل علی اللہ کی ظاہری تصویر ہے۔ باطنی تصویر اس سے ماوراہے۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی نقدی موجود نہیں اور کسی حاجت مند نے نقدی کا سوال کر دیا تو ارشاد ہوا ہے ''بیٹھ جائو اللہ مالک ہے۔'' اور واہ رے شانِ توکل کہ امید سے بھی زیادہ ہوا ہے۔ جو بھی آپ کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے اسے جہاں اکل حلال میں سعی اور کوشش کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے وہاں یہ بھی حکم ہوتا ہے کہ صرف توکل پر گزارہ کرو۔ امید و بیم سے ماوراہو جائو۔ یہ بھی اکثر ارشاد ہوتا ہے کہ ضرورت سے کچھ کم عطا ہونا بھی خدا کا بڑا احسان ہے۔ اس حالت میں توکل کے ذریعہ اپنے رشتہ کی شدت اور ظاہری احساس قائم رہتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان اپنے ہر عمل کو اللہ ہی کے واسطے کرنے لگتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توکل کا مقام ہی وہ مقام ہے جہاں مرد مومن کی ہر حرکت خیال اور احساس نہ صرف یہ کہ عبادت میں شمار ہوتے ہیں بلکہ ہمہ تن عبادت بن جاتے ہیں۔ بابا صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ توکل ایک مرد کا کام ہے۔ ایک شیر دل کا کام ہے۔ بھوکے کا روزہ کیا اور مجہول کی پارسائی کیا۔ جب 'میں' میں واقعی اتنی قدرت ہو کہ وہ اپنے ہر خیال کی تکمیل کر سکتا ہو اور پھر اس 'میں' کو 'تو' کے حوالہ کر دے اور کُلیتہً حوالہ کر دے تب وہ توکل کہلاتا ہے۔ فقیر میں جب اور چیزیں صحیح ہوں تو پھر وہ توکل ہیپر اپنے دن کاٹتا ہے۔ توکل کے راستہ سے انسان مقام رضا تک پہنچتا ہے۔ جب تک ہم اس سے راضی نہ ہو جائیں وہ ہم سے کیسے راضی ہو گا۔ اور جو وہ راضی ہو جائے تو عبودیت کا حق ادا ہو گیا۔ وعدۂ الست پورا ہو گیا۔

صبح کی پہلی روشنی پر کسی خادم کو حکم ہوتا ہے کہ دربار کی سڑکوں کی بتیاں بند کر دے۔ اس کے بعد وضو کے لئے پانی آتا ہے آپ نہایت اطمینان سے بڑی اچھی طرح وضو فرماتے ہیں اور ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رہتا ہے کہ یہ پانی درخت میں ٹھیک پہنچ رہا ہے یا نہیں۔ کیا اچھی مثال ہے دیدۂ بینا کے لئے قربان جایئے کہ حضوری میں بھی اپنوں کی تربیت کا خیال رہتا ہے۔ یہ تو گویا ہر روز کی زندگی ہے۔ جب آپ حجرۂ مبارک میں تشریف لے جاتے ہیں، دروازہ کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے اور ایک خادم باہر کھڑا ہو جاتا ہے۔ فرض نماز بآواز بلند ادا ہوتی ہے۔

اس کے بعد کا معمول یہ ہے کہ تسبیح پوری دھوپ کے نکلنے تک جاری رہتی ہے اور اگر کسی کو حجرۂ مبارک میں اس وقت بلا بھی لیا تو باتیں بھی ہوتی رہتی ہیں اور ساتھ ساتھ تسبیح بھی رواں رہتی ہے۔ پھر باہر تشریف لے آتے ہیں۔ ایک ایک پودے اور درخت کو دیکھتے ہیں کہ پانی ملا یا نہیں۔ کتے کو خادم نہلا کر لے آتے ہیں۔ ایک کتے کا بچہ ہوتا ہے جس کے ساتھ کبھی کبھی ایک نو عمر لڑکے کی طرح نہایت انہماک سے آپ کھیلنے لگتے ہیں۔ یہ کتا کھیل کھیل میں کاٹ بھی لیتا ہے۔ اور آپ کے جسم پر اس کے دانت کے نشان بھی پڑ جاتے ہیں۔ اگ یہاں پر اتفاق سے کوئی متشرع آدمی موجود ہو اور اس کو دل ہی دل میں یہ بات ناپسند ہو تو خود ہی

ارشاد ہوتا ہے کہ دیکھا جو کتا تو ایک ناپاک جانور ہے۔ ہم تو نماز بھی پڑھتے ہیں اور ہمیشہ طہارت سے بھی رہتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ یہ کیا بات ہے۔ اتنی بات تو ضرور ہے کہ ہم آدم ہیں تو یہ گیدم۔ آدم کی ناف کی مٹی سے ہی تو اس کی تخلیق ہوئی ہے اور یہ کتا وفادار جانور ہے۔ انسان میں کم از کم اتنی وفا تو ہونی چاہئے۔ یہ بیچارہ ہماری زبان بول تو سکتا نہیں مگر سمجھتا کچھ کچھ ہے اور صرف سونگھ کر ہی اپنے مالک کو ہر حال اور ہر روپ میں پہچان جاتا ہے۔ اپنے آپ کو مالک کا محافظ سمجھتا ہے اور اس بات پر اس کو بڑا ناز ہوتا ہے۔ ویسے در در کا ہو تو اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ مگر جب ایک در کا ہو جاتا ہے تو پھر ایک ہی کا ہو رہتا ہے۔ اس پر چاہے جتنی سختی کیجئے، بھوکا رکھئے، جو کچھ کیجئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل کی ایک ہی آرزو ہے اور وہ یہ کہ مالک کے قدموں سے دور نہ ہو۔ سامعین کے کچھ سمجھ میں آتا ہے اور کچھ نہیں۔ اس کا بھید تو بابا صاحب ہی جانیں کہ یہ کتے آخر کیوں پلتے ہیں اور کیا آپ ان باتوں میں دنیا کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس کو ایک غلام کی طرح پالا جائے۔ یا آپ اس جانور کی وفا کی قدر دانی کر کے اس کو اپناتے ہیں۔ یا کچھ خادموں کی عادتوں کی اس کھیل تماشہ کے ذریعہ اصلاح کی جاتی ہے۔ یہ بھید تو وہی جانیں۔

اس کے بعد آپ غسل فرما کر ایک گلاس میں تھوڑا گرم پانی ملا ہوا دودھ اور شکر پی کر دربارِ عالم کی طرف چل دیتے ہیں۔ کتا آگے آگے ہوتا ہے۔ مگر حجرۂ مبارک کے اندر کبھی نہیں جاتا۔ دروازہ کے باہر بیٹھا رہتا ہے۔

دربار عام میں لوگوں کا حال سُننے اور انہیں فیض عطا کرنے کے بعد آپ تھوڑی سی دیر کے لئے حجرۂ مبارک میں جو دربار سے سیدھے ہاتھ کی طرف ہے چلے جاتے ہیں۔ اور پھر دربار عام میں تشریف لے آتے ہیں۔ دربار عام میں سے بھی کبھی کبھی آپ اچانک اُٹھ کر حجرۂ مبارک میں تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ اور پھر لوٹ آتے ہیں۔ معلوم نہیں وہاں روحوں کو ملاقات کی عزت دی جاتی ہے یا کچھ اور ہوتا ہے۔ اس دربارِ عام کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس کو ختم کرنے کے بعد آپ اپنے اندر کے کمرہ کی طرف جاتے ہیں اور اس کے برآمدہ میں ایک تہہ ہو جانے والے پلنگ پر تھوڑی دیر کے لئے ستاتے ہیں۔ کبھی کبھی آنکھ بھی جھپک جاتی ہے۔ مگر گرمی ہو یا سردی۔ خدا جانے وہ کون سی آگ یا کوہ آتش فشاں ہے کہ ہمیشہ پنکھے چلتے رہتے ہیں۔ آپ اُٹھ کر تازہ وضو کر کے ظہر کی نماز اپنے ہی حجرے میں ادا فرماتے ہیں۔ کبھی ایک بچ جاتا ہے کبھی دو، کبھی تین۔ اس کے بعد کھانا چُنا جاتا ہے۔ دستر خوان کی گفتگو کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ مگر ایک خاص بات یہ ہے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر چیز میں انتہائی دلچسپی، ہر لذت کی پوری پرکھ اور احساس رکھتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کچھ سویاں پک کر آئی تھیں۔ یہ بہت ہی خراب پکی ہوئی تھیں۔ ہاتھ میں لینے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بوسیدہ کچھ آٹے کے ڈلے ہیں۔ آپ نے ان سویوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور غالباً آزمانے کے لئے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ سویاں کیسی پکی ہیں۔ پھر آپ نے کچھ سونگھا کچھ منہ بنایا اور دیکھتے رہے کہ کون کیا کہتا ہے۔ پھر

دفعتاً یہ کہہ کر کہ رزق کے بے ادبی بڑا جرم ہے آنکھوں سے لگا کر نوش فرمایا۔ اس طرح ہر ہر اشارہ میں تعلیم و تربیت فرماتے رہتے ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دستر خوان سمیٹتے ہوئے خادم ہڈیاں طشت میں ڈال رہا تھا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ ایسا نہ کرنا یہ چھیکی پڑ جائیں گی تو کتا کیسے کھائے گا۔ کھانے سے فراغت پانے کے بعد کافی دیر تک وہیں بیٹھے ہوئے دربار خاص کی کارگزاریاں ہوتی رہتی ہیں۔ اگر مجمع زیادہ ہو تو پھر دربار عام میں چلے جاتے ہیں۔ پھر بھی ہجوم کم نہیں ہوتا تو بعد نماز مغرب بھی دربار جاری رہتا ہے۔ جب تک سب کی دادرسی نہ ہو جائے۔ اکثر جب لوگ کم ہوں تو شام کے وقت یا کبھی صبح کے وقت اور خصوصاً جب کسی مہمان کو کچھ بتلانا ہوتا ہے تو آپ آس پاس کی پہاڑیوں اور باغات میں سیر کو نکل جاتے ہیں۔ ایک خادم ہاتھ میں درانتی لئے ہوئے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور جو کچھ کانٹے اور جھاڑیاں راستہ کے اِدھر اُدھر بڑھ رہے ہوں، انہیں صاف کرتا جاتا ہے۔ آپ بڑی دلچسپی اور انہماک سے راستہ کی ایک ایک چیز دیکھتے جاتے ہیں۔ منظر، فضا، چرند پرند درخت غرض ہر چیز میں ایسی دلچسپی ار انہماک ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے یہ کام ہی آپ کا مقصد زندگی ہے اور شوق بھی اس شدومد کے ساتھ دکھاتے ہیں کہ کیا کوئی چودہ سال کا لڑکا بھی جو پہلی دفعہ شہر کے اندھیرے مکان سے نکل کر جنگل جاتا ہو۔ اتنی دلچسپی اور زندہ دلی سے سیر کرتا ہوگا۔ یہ عمر، یہ مقام اور یہ ہوش۔ بس کچھ اللہ ہی کی دین ہو سکتی ہے۔ آپ اکثر فرماتے ہیں کہ جو کام بھی کرو چھک ہو کر کرو۔ یعنی آدھے دل سے کوئی کام نہ کرو چاہے کیسی ہی معمولی بات ہو مگر جب کرتے ہو تو دل و جان سے اپنے آپ کو جھونک دو۔ باغات میں پہنچے تو ایک ایک پھل کو غور سے دیکھا۔ یہ کچا ہے، یہ پکا ہے، یہ پندا ہے۔ شاید پکنے سے پہلے ہی گر جائے۔ یہ درخت بڑا پرانا ہے۔ اس درخت کی جڑ میں سانپ کے بِل ہیں۔ اس کنوئیں کا پانی بڑا میٹھا ہے۔ یہ پہاڑی نہر ہے۔ مگر اس وقت خشک صرف ریت ہی ریت ہے۔ وہ دیکھو چیل کا گھونسلا ہے۔ کیا اونچا مقام ہے اور خدا جانے کیا کیا اسی قسم کے ارشادات ہوتے ہیں۔ بظاہر ہر بات اور ہر فعل اپنی جگہ صحیح اور موزوں مگر بہ باطن ہر لفظ اور اشارہ میں ایسے ایسے معنی ہوتے ہیں اور ساتھ ساتھ جو ہوتے ہیں ان میں سے جس کے لئے جو اشارہ ہوتا ہے وہ پکڑ لیتا ہے۔ اور غوطہ زن ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک خادم کہیں دور سے یہ قطعی طے کر کے آیا تھا کہ یا تو پردہ اُٹھے یا میں پردہ ہو جاؤں۔ اس خادم نے یہ دیکھا کہ جب کبھی وہ اندر بیٹھک کی طرف جاتا ہے تو آپ صرف ایک تہبند باندھے بغیر بنیائن کے دھوپ میں بیٹھے ہوتے ہیں اور جیسے ہی یہ خادم پہنچتا ہے آپ اپنے دونوں ہاتھ سینہ پر باندھ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں ہمیں ننگا رہنے میں بڑی شرم آتی ہے اور پھر اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔ چونکہ خادم اپنی ہٹ پر قائم تھا اس لئے روزانہ یہی بات دہرائی جاتی تھی۔ پھر کہیں پانچ چھ دن کے بعد خادم کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ اشارہ اپنی طلب کا جواب ہے اور ساتھ ساتھ حیا اور ایمان کا رشتہ بھی اس طرح سمجھ میں آگیا گویا اندھیری رات میں بجلی کوند گئی اور سارا منظر ایک آن میں روشن ہو گیا۔ خادم نے آنکھیں نیچی کر لیں اور بھی بہت تھے مگر

جس کی طرف جو اشارہ ہوتا وہی اس کو سمجھ سکتا۔ کیونکہ بات بہت معمولی، سادہ اور روزمرہ کی ہوتی تھی۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب تک وہ خاص بات جو سمجھانا مقصود ہو سمجھ میں نہ آجائے تو بیسوں بار دہرائی جاتی ہے اور جب سمجھ میں آگئی تو اس کا ذکر بھی نہیں ہوتا۔

رات کا دربارِ عام جب ختم ہو جاتا ہے تو آپ کمرہ کی طرف لوٹ آتے ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے پھر ستا لیتے ہیں۔ اکثر دربارِ عام میں رات کے گیارہ بارہ اور کسی نیاز اور جلوس کے زمانہ میں تو دو اور تین بھی بج جاتے ہیں۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ سب لوگوں کے کھانا کھلانے کے بعد آپ عشا کی نماز ادا کر کے کھانے پر تشریف لاتے ہیں۔ کھانے کے دوران میں ہی کبھی کوئی پرانے بزرگوں یا پیغمبروں کا قصہ کسی نے چھیڑ دیا تو آدھا آدھا گھنٹہ گزر جاتا ہے اور ہاتھ میں لیا ہوا لقمہ ہاتھ میں ہی رہتا ہے۔ جب تک کہ بات ختم نہ ہو کسی خادم کی اس دوران میں مجال بھی نہیں ہوتی کہ کھنکار بھی دے اور کھانے کی طرف توجہ دلائے۔ لیکن کوئی مہمان کھانے کی طرف توجہ دلائے تو آپ مسکرا کر ہاں ہاں کر کے کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور باتیں ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہیں۔ کھانے کے بعد آدھے گھنٹہ تک آپ برآمدہ میں بہت تیز ٹہلتے ہیں اور خادموں کو بھی یہ حکم ہوتا ہے کہ چاہے کتنی دیر ہو گئی ہو کھانے کے بعد فوراً کبھی مت سونا۔ رات کے کھانے کے بعد بابا جان کی عجب کیفیت ہوتی ہے۔ جیسے کوئی اور بول رہا ہو۔ کچھ ہوش کچھ بے ہوشی۔ عجب سی مستی اور نشہ ہوتا ہے۔ آنکھیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ ایک ایک من بھاری مگر نیند کا خمار نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک جمائی تک نہیں آتی۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے مہمان اور خادم اجازت لے کر اور قدمبوسی کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ کوئی خاص الخاص ہاتھ باندھے کھڑا رہ جاتا ہے۔ تو پھر جوش میں آکر برملا اس سے گفتگو ہوتی ہے۔ پیغامات ہوتے ہیں۔ انعام اور احسان ہوتے ہیں اور پھر جب اسے اجازت مل جاتی ہے تو اس ہدایت کے ساتھ کہ جاؤ ابھی سو مت جانا۔ اللہ اللہ کر کے بیٹھے رہنا۔ آپ خود پلنگ پر لیٹ جاتے ہیں مگر ایک پیر حرکت کرتا رہتا ہے۔ صبح کے تین چار بجے تک ایسا ہی رہتا ہے۔ کبھی کبھی ایک یا ڈیڑھ منٹ کے لئے پیر اور سانس دونوں ہی ساکت ہو جاتے ہیں۔ آپ چونک کر اُٹھ بیٹھتے ہیں۔ پسینہ میں تر ہوتے ہیں۔ اُٹھ کر پانی منگوا کر وضو فرماتے ہیں اور پھر لیٹ جاتے ہیں۔ معلوم نہیں اس سکوت میں زماں سے ماورا کس لامکان میں گزر ہوتا ہے۔ پھر وہی صبح کی ہلکی روشنی۔ پھر وہی چڑیوں کی چہچہاہٹ، مُرغ کی اذان اللہ اکبر۔ پھر صبح کی نماز اور سورج نکلنے تک حجرہ میں تسبیح۔ کسی کسی دن تھوڑا آرام۔ پھر وہی دن کا اجلاس اور زندگی کی گرمجوشیاں۔ یوں حضور کا ایک دن گزرتا ہے۔ اس کو تو ہم گھڑی کے چوبیس گھنٹوں میں ناپتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ جمعرات گزر گئی، آج جمعہ کا دن ہے۔ مگر کوئی کیا جانے کہ روحانی زندگی میں اِن چوبیس گھنٹوں میں کیا کیا ہوتا ہے۔ کن کن سے ملاقات ہوتی ہے۔ کیا کیا احکام جاری ہوتے ہیں۔ کون کون سے انتظامات کئے جاتے ہیں اور مستقبل کے کون کون سے نقشے کھینچے جاتے ہیں۔

گرمیوں کا موسم آتا ہے۔ اپنی ''ھُوھا'' کو ساتھ لئے ہوئے گزر جاتا ہے۔ بارش کی بہاریں آتی ہیں۔ خشکیاں جل تھل ہو جاتی ہیں۔ دل باغ باغ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ موسم بھی اپنے پھول اور ثمر لئے گزر جاتا ہے۔ پھر سردیوں کی لمبی لمبی راتیں، دھوپ کی خوشگوار کیفیتیں۔ زندگی کے یہ پُر سکون دن اور رات بھی آتے ہیں اور اپنی گودی بھر کے چلے جاتے ہیں۔

كُلَّ يَومٍ هُوَ فِي شَانٍ

قادرؔ ہے سراپا شمع جہاں سبحان اللہ سبحان اللہ

ہے اس سے منور کون و مکاں سبحان اللہ سبحان اللہ

وہ داتا، خواجہ، محی الدین، وہ صابر، نظام، فرید الدین

انوارِ ادائے تاج الدین سبحان اللہ سبحان اللہ

وہ نور سمٰوات و والارض، وہ نورِ مجسم لاثانی

خود ظاہر و باطن روشن ہے سبحان اللہ سبحان اللہ

آپ اپنے مقابل اُترا اور روپ اچھوتا سا لے کر

کیا شان نرالی وحدت کی سبحان اللہ سبحان اللہ

اس جذب و شوق و مستی میں، اس عشق دائم منزل میں

وہ دائم، قائم قادر ہے سبحان اللہ سبحان اللہ

محبوبِ دوعالم بن کے جب اُترا ہے ضمیرِ فطرت میں

خود حق نے کہا ہے صل علیٰ سبحان اللہ سبحان اللہ

ہر روپ اسی کا نقشہ ہے، ہر رنگ اسی کا مظہر ہے

اللہ احد، اللہ اصمد، سبحان اللہ سبحان اللہ

خود لا ہے صورت سبحان کی اور لا کے پردہ میں اللہ

یہ لا الٰہ کا رمز ولیؔ سبحان اللہ، سبحان اللہ (ولیؔ الدین)

ماہِ کنعاں شاہِ خوباں یافتم

از لقائش رمز ایماں یافتم

خوش نصیبم کوئے جاناں یافتم

پائے ساقی حدِ امکاں یافتم

تازہ پیکاں تازہ پیماں یافتم

نقد جاں بسیار ارزاں یافتم

اے ولیؔ چوں مہر سلطاں یافتم

دو جہانِ گُل بداماں یافتم

(ولی الدین)

قادرؔ کے سراپا میں نہاں اور ہی کچھ ہے

ان بھونی نگاہوں سے عیاں اور ہی کچھ ہے

ہر دیکھنے والے کی نظر کچھ دیکھ رہی ہے

ہر دیکھنے والے کا گماں اور ہی کچھ ہے

زاہد نے چھپا رکھا ہے کعبے میں خدا کو

اللہ کے کعبے کا نشاں اور ہی کچھ ہے

تسلیم و رضا عجز و طلب شوق فراواں

طالب کی تگ و دو کا جہاں اور ہی کچھ ہے

ہر لحظہ نیا ذوق، نئی جرأتِ دیدار

یہ تشنگی زندہ دلاں اور ہی کچھ ہے

آفاق میں کھو جاتے ہیں آفاق کے بندے

زندوں کا زماں اور مکاں اور ہی کچھ ہے

کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں الفاظ بہت کچھ

بہتے ہوئے اشکوں کی زباں اور ہی کچھ ہے

(رحمن بابا)

☆...☆...☆